پیغامِ سیرت

ہماری موجودہ مشکلات اور سیرت طیبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج ہم بہت سی مشکلات سے دو چار ہیں، یہ مشکلات کئی نوعیت کی ہیں، کچھ تو ہمارے اجتماعی امور سے متعلق ہیں، کچھ کا تعلق حکومتوں سے ہے، اور کچھ مشکلات انفرادی نوعیت کی ہیں، جن سے ہم ذاتی وشخصی حوالے سے دو چار ہیں، اس آخری قسم سے تعلق رکھنے والی مشکلات ایسی ہیں جن کا ہم سرسری جائزہ بھی لیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ ان کو حل کرنے کے لئے ہمیں نہ تو لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، نہ کسی بڑے سرمائے یا تربیت یافتہ افرادی قوت کی، یہ امور چوں کہ ہم سب کی اپنی دسترس میں ہیں، اس لئے کسی سے مطالبہ کرنے یا اسے قائل کرنے کی بھی ضرورت نہیں، ضرورت صرف صدقِ دل سے عمل کرنے کی ہے اور عمل بھی زیادہ مشکل نہیں، تھوڑی سی محنت اور معمولی کوشش سے ہم اپنی عادات بدل سکتے ہیں، اور ان روایات اور رسوم ورواج سے چھٹکارا پا سکتے ہیں جو ہمارے مزاج میں داخل ہو کر خود ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں، ذیل میں اسی حوالے سے چند امور کے متعلق سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی اور اسی حوالے سے حاصل مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی:

ہماری بہت سی مشکلات کا سبب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک (الا ماشاءاللہ) اپنے حقوق کے حصول کا تو دعوے دار ہے، مگر دوسروں کے اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے بے نیازی ولاپرواہی کا بھی شکار ہے، نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مطمئن نہیں، اور ہر ایک کام ناقص وادھورا ہے اور

تقریباً ہر شخص دوسرے کا حق نادہندہ ہے چوں کر کوتاہی سب کی جانب سے ہے اس لئے متاثر بھی سب ہی ہیں، اس روش سے نقصان بھی سب کو پہنچ رہا ہے، لیکن شاکی ہر ایک ہے، اصلاح کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔

یہ صورت حال ہر مقام اور ہر میدان میں موجود ہے، جس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں، استاد اپنے طلباء سے اگر اپنے حقوق کی ادائیگی کا خواہاں ہے تو دوسری جانب اس کے شاگرد اس سے مطمئن نہیں کر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنی انتہائی صلاحیتوں کو صرف کرنے سے قاصر ہے، بھائی بھائی سے اسی بنا پر نالاں ہے، مگر غور کیا جائے تو وہ خود بھی اپنے بھائی کے بہت سے حقوق ادا نہ کرنے کا ذمے دار ہے، اس کا سادہ حل شریعت نے یہ پیش کیا ہے کہ حقوق کی ادائیگی کو بغیر کسی ادنیٰ رکاوٹ کے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا جائے، اسی بنا پر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی سخت تاکید فرمائی ہے، اور حقوق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی ہے، یہ حقوق متعدد نوعیت کے ہیں، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، استاد شاگرد کے حقوق، اہل قرابت کے حقوق، دوست احباب کے حقوق اور ملازمین کے حقوق وغیرہ، ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ حقوق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیئے اور سب کی ادائیگی کی الگ الگ تلقین فرمائی ہے، مثال کے طور پر اہل قرابت کے حقوق کے بارے میں جس کی ادائیگی میں کوتاہی ہمارے ہاں عام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الرحم شجنة من الرحمن قال الله تعالیٰ من وصلک وصلته ومن قطعک قطعته۔ (۱)

رحم (حق قرابت) رحمٰن سے مشتق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا میں اسے قطع کردوں گا۔

یعنی جو شخص اپنے تعلق والوں کے حقوق احساس ذمے داری سے ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نوازے گا اور جو قطع رحمی کرتے ہوئے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے قطع تعلق فرمائے گا۔

صلہ رحمی کرنے اور اہل قرابت کو ان کے حقوق کی ادائیگی کے دنیاوی فوائد بھی کثرت سے ہیں، حضرت انسؓ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ بخاری/ الصحیح / دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء/ ج۵، ص۲۲۳۲، رقم ۵۶۴۲

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (۲)

جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور دنیا میں اس کے آثار تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

اسلام نہ صرف ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے بلکہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے، جہاں سکون و اطمینان، خوش دلی اور باہمی تعاون کی فضا پروان چڑھے، اس کے لئے ضروری ہے کہ برائی کا جواب بھی اچھائی سے دیا جائے، حقوق ادا نہ کرنے والوں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں اسی کی تلقین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل هو الذی اذا قطعت رحمه وصلها۔ (۳)

وہ شخص صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، صلہ رحمی کرنے والا تو اصل میں وہ شخص ہے جو اس شخص سے بھی صلہ رحمی کرے جو اس کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ کرتا ہے۔

حقوق کی بحث صرف رشتے داروں کے حقوق تک محدود نہیں، اسلام کی نظر میں تو اس کی حدود بہت وسیع ہیں، جیسا کہ ذکر کیا گیا اس کی بہت سی شاخیں ہیں، اور بحیثیت مسلمان ہم پر فرض ہے کہ تمام حقوق کی نگہبانی کریں، اس یقین کے ساتھ کہ اس کے نتیجے میں اخروی اجر تو ان شاء اللہ ملنا ہی ہے، دنیاوی مصائب بھی ختم ہوں گے، مشکلات کم ہوں گی، اور ہمارے گھر پھر سے پریشانیوں سے آزاد اور مسرت و انبساط کا مرکز بنیں گے۔

وقت و صلاحیتوں کا ضیاع:

دوسری جانب ہمارے قیمتی وقت اور صلاحیتوں کے ضیاع نے بھی صورت حال سنگین کر دی ہے، دونوں چیزیں انمول ہیں جنہیں ہم قطعاً مہمل، لایعنی اور بے مول مصروفیات یا بے کاری میں برباد کر

۲۔ مسلم/ الصحیح / بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء/ رقم ۲۵۵۷ ☆ بخاری/ الادب المفرد/ بیروت، دارالبشائر الاسلامیہ، ۱۹۸۹ء/ ج۱، ص۳۴، رقم ۵۶، ۳۔ ابوداؤد/ السنن/ دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج۲، ص۵۹، رقم ۱۶۹۷ ☆ بیہقی/ السنن الکبریٰ/ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء/ ج۷، ص۲۷، رقم ۱۳۹۹۸

all.12yal not

رہے ہیں، جس کے سبب ہم بہت سی مشکلات سے دوچار ہیں، سرکاری دفاتر میں اگر کام آٹھ گھنٹے ہونا چاہئے تو عام طور پر بمشکل دو ڈھائی گھنٹے ہوتا ہے، طرح طرح کے بہانوں کے نتیجے میں ہونے والی چھٹیاں اس کے علاوہ ہیں، یہ بات جہاں ایک جانب بدترین خیانت ہے۔ وہیں وقت کے ضیاع کا گناہ بھی اس کے نتیجے میں لازم آتا ہے، ہماری نوجوان نسل گھنٹوں بلکہ بعض اوقات پوری شب انٹرنیٹ کے سامنے بیٹھ کر گزار دیتی ہے، پھر اس پر مستزاد طویل طویل ٹیلی فون کالیں ہیں، کرکٹ وغیرہ مختلف کھیلوں کی خرافات الگ ہیں، جن میں پوری قوم کا کروڑوں روپیہ اور ہزاروں گھنٹے برباد ہورہے ہیں، اور افسوس یہ ہے کہ ہمیں اتنی قیمتی دولت کے ضیاع کا احساس تک نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں سخت کوتاہی ولاپرواہی عام ہے، گھر کے روزمرہ کے امور سے بھی بے توجہی کی شکایات کم نہیں، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد بھی پامال ہورہے ہیں، اور حاصل کچھ بھی نہیں، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا ہی کا حصول، نتیجتاً گھریلو ناچاقی، بے روزگاری، مالی پریشانیاں، بڑھتے ہوئے اخراجات سب جمع ہوکر ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔

ان مشکلات سے بچنے کے لئے اسلام نے اپنے اوقات کو قیمتی بنانے اور انہیں کارآمد سرگرمیوں میں صرف کرنے کی تلقین کی ہے، اور وقت کی قدر و قیمت کو واضح کیا ہے، ان مشکلات کا واحد حل یہی ہے کہ ہم اپنے وقت کو کارآمد مصروفیات میں صرف کرکے قیمتی بنائیں، اور فضول لغو امور سے چھٹکارا حاصل کریں۔ قرآن حکیم میں روز قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ط (۴)

جس روز اللہ انہیں اکٹھا کرے گا تو (انہیں اپنی بیتی ہوئی زندگی اس قدر محسوس ہوگی کہ) گویا وہ محض ایک گھڑی کو آپس کی جان پہچان کے لئے ٹھہرے تھے۔

انہیں محسوس یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کا قیام اتنا ہی تھا جس میں محض دو افراد باہم ملتے ہوئے سلام دعا کرتے ہیں، اور کچھ نہیں، اتنی مختصر مدت کو لایعنی امور میں ضائع کردینا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی بنا پر لایعنی امور سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۴۔ القرآن، سورۂ یونس، آیت ۴۵،

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه۔ (۵)

اسلام کے حسن میں سے یہ بات بھی ہے کہ انسان لایعنی (فضول، بے کار) مشاغل ترک کردے۔

انسان کو وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے نبی رحمت نے فرمایا:

اغتنم خمسا قبل خمس، شبابک قبل هرمک، وصحتک قبل سقمک، وغناءک قبل فقرک، وفراغک قبل شغلک، و حیاتک قبل موتک۔ (۶)

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی، بیماری سے پہلے تندرستی، تنگ دستی سے پہلے مال داری، مشغولیت سے پہلے فراغت اور موت سے پہلے زندگی کو۔

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے وقت کی قدر و قیمت کی جانب اس طرح توجہ دلائی، فرمایا:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس، الفراغ والصحة۔ (۷)

دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک فراغت اور دوسری صحت۔

ہر چڑھنے والا سورج جہاں ایک نئے دن کی نوید لے کر طلوع ہوتا ہے، وہیں اس کا مغرب کے افق میں غائب ہو جانا بھی اس امر کا غماض ہوتا ہے کہ حیات انسانی اور مہلت دنیاوی کے مزید چوبیس گھنٹے کم ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے کہ آج اگر کوئی بھلائی کرسکتا ہے تو کرلے، آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا۔ (۸)

ان نصوص کی روشنی میں ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا ہوگا، تا کہ ہم مشکلات کے بھنور سے نکل کر کامیابی و کامرانی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔

۵۔ ابن حبان/ الصحیح / بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۳ء/ ج۱، ص۳۶۶، رقم ۲۲۹، ☆ مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)/ موطا/ ج۲، ص۹۰۳، رقم ۱۶۰۴/ دار احیاء التراث العربی، مصر، ۶۔ حاکم/ المستدرک/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰/ ج۴، ص۳۴۱، رقم ۷۸۴۶ ۷۔ ابن ابی شیبہ/ المصنف/ ریاض، مکتبۃ الریاض، ۱۴۰۹ھ/ ج۷، ص۸۲، رقم ۳۴۳۵۷، ۸۔ بیہقی/ شعب الایمان/ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ/ ج۳، ص۳۸۶، رقم ۳۸۴۰

اسراف ودکھلاوا:

ایک اور بہت بڑا مرض جس میں ہم مبتلا ہیں وہ اسراف و دکھلاوا ہے، گو یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن دونوں کے نتائج یکساں ہیں، ریا کاری و دکھلاوے میں بھی انسان اسراف سے کام لیتا ہے، اور اسراف کے نتیجے میں بھی ریا کاری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، ان کے مفاسد اس قدر واضح ہیں کہ کسی بیان کے محتاج نہیں، اسلام نے تو ان کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اسراف درحقیقت ہماری لامحدود خواہشات کا نتیجہ ہے، جن کی ہم تکمیل کی آرزو رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کی تکمیل اس دنیا میں تو ممکن ہی نہیں، اس لئے اسلام نے خواہشات کی تہذیب کی ہے، اور ان کی تکمیل کے لئے حدود متعین کردی ہیں۔

ہم انواع واقسام کے اسراف میں مبتلا ہیں، جن میں ہماری تقاریب سرفہرست ہیں۔ ہماری تقاریب کئی اعتبار سے اسراف کا نمونہ ہیں، ۱۔ بات بات پر تقاریب کا انعقاد گویا ہمارے فیشن کا حصہ بن گیا ہے، ۲۔ تقاریب میں کھانوں کا اہتمام اور پھر کثرت کی وجہ سے ان کا ضیاع الگ سے اسراف ہے، ۳۔ پھر خصوصاً تقاریب میں خواتین کے ملبوسات اور زیورات جو آرائش سے زیادہ نمائش کے کام آتے ہیں، یہ اسراف بھی ہے اور دکھلاوا بھی، یہ اسراف اکثر ایسی حدود میں داخل ہو جاتا ہے جو شریعت میں سراسر ناجائز ہیں۔

اس موقع پر ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول کیا تھا؟ اور اس دکھلاوے یا اسراف کو آپ ﷺ نے ناپسند تو نہیں فرمایا؟ جب ہم حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقائق آتے ہیں۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال کپڑوں کا ہمیشہ ایک ہی جوڑا ہوتا تھا۔(۹)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مسلسل دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔(۱۰)

۳۔ ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں پردے لٹکا لئے، آپ ﷺ نے دیکھا تو گھر میں داخل تک نہیں ہوئے، پوچھنے پر فرمایا کہ اس دنیاوی زیب و زینت سے میرا کیا تعلق؟(۱۱)

۹۔ ترمذی باب معیشۃ النبی، ۱۰۔ قاضی عیاض/ الشفاء/ قاہرہ، مصطفی البابی الحلبی ۱۹۵۰ء/ ج ۱، ص ۸۲،
۱۱۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۴۲، رقم ۴۱۴۹،

اسی طرح ایک بار حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرے میں پردے لٹکائے، آپ ﷺ نے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہمیں اللہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے اینٹوں اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں ۔(۱۲)

۴۔ حضرت فاطمہؓ کو ایک بار حضرت علیؓ نے سونے کا ہار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ کیا تو یہ پسند کرتی ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے اسے بیچ کر ایک غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا خدا کا شکر ہے اس نے فاطمہؓ کو آگ سے نجات دے دی ۔(۱۳)

حالاں کہ سب ہی اس امر سے واقف ہیں کہ خواتین کے لئے زیورات کی ممانعت نہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ کا اپنے اہل کے بارے میں یہ معمول تھا، ایسے میں زیورات کی موجودہ کثرت اور ان کے ساتھ ہمارا موجودہ ذوق وشوق کس طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے؟

۵۔ آپ ﷺ کے استعمال کے بستر میں صرف کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی ۔(۱۴)

۶۔ یہ یاد رہے کہ یہ سب سادگی، زہد اور قناعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیاری تھا، چنانچہ ابوامامہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے پیشکش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لئے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیا جائے، مگر میں نے کہا نہیں میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، آپ ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی، اور جب بھوک لگے تو تیرے سامنے تضرع کروں (روؤں گڑگڑاؤں، تجھ سے مانگوں) اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں ۔(۱۵)

اسی بنا پر آپ ﷺ نے قناعت کی تلقین فرمائی اور اہل قناعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا اور گزر اوقات کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نوازا ۔(۱۶)

اور دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اسلام کی

۱۲۔ مسلم/ ج۳،ص۸۲، رقم ۱۰۷، ۱۳۔ نسائی/ السنن الکبریٰ/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء/ باب الکراھیة للنساء فی اظھار الحلی و الذھب، ۱۴۔ مسلم/ ج۳،ص۳۶۹، رقم ۲۰۸۲، ۱۵۔ ترمذی/ الجامع السنن/ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج۴، ۱۵۵، رقم ۲۳۵۴، ۱۶۔ ترمذی/ ج۴،ص ۱۵۶، رقم ۲۳۵۵،

ہدایت نصیب ہوئی اور اس کی زندگی کی گزر اوقات کے مطابق اسے روزی ملی اور قناعت حاصل ہوئی۔(۱۷)

دوسری جانب ریا کاری بھی پسندیدہ فعل نہیں، خصوصاً دینی امور میں اس کے نقصانات واضح ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

من سمع سمع الله به و من راء ی راء ی الله به ۔(۱۸)

جس نے اپنا کوئی عمل ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی کا سامان کرے گا، اور جس کسی نے اپنا کوئی عمل ریا کاری کی نیت سے کیا تو اللہ اس کے راز لوگوں پر عیاں کر دے گا۔

اس بنا پر ہماری کوشش و خواہش ہونی چاہئے کہ ان خطرناک امور سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور ان عام ہونے جانے والی برائیوں سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کریں۔

کذب بیانی اور وعدہ خلافی:

جھوٹ کو کسی معاشرے میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، نہ وعدہ خلافی کو اچھی صفت گردانا جاتا ہے، اسلام نے بھی ان سے بچنے کی سختی سے تاکید کی ہے، لیکن اس کے باوجود ہم ان امور میں مکمل طور پر غرق ہیں۔

جھوٹ اپنی اصل کے لحاظ سے ہی غلط، ناروا اور ممنوع ہے، پھر اس کی بے شمار قسمیں ہمارے ہاں رائج ہیں، لیکن سب کی سب ممنوع، اور کسی بھی معاشرے کے لئے سخت ضرر رساں۔

قرآن حکیم میں جھوٹ کی شناعت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ O (۱۹)

بلاشبہ اللہ اس کو راستہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ O (۲۰)

یقیناً اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھ جانے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو نفاق کی علامت شمار کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں

۱۷۔ ترمذی ایضاً، رقم ۲۳۵۶، ☆مستدرک/ ج ۱، ص ۹۰، ۱۹۔ مسلم/ رقم ۲۹۸۶ ☆ نسائی/ کبریٰ/ ج ۶، ص ۵۲۲، رقم ۱۱۷۰۰، ۲۰۔ القرآن، سورۂ زمر، آیت ۳

چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان چار میں سے ایک عادت ہو تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (وہ علامات یہ ہیں) ۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، ۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، ۳۔ جب کسی سے عہد کرے تو اسے دھوکہ دے، ۴۔ جب کسی سے لڑے تو گالیوں پر اتر آئے۔(۲۱)

عہد اور وعدے کا ایفا بھی ضروری ہے اور وعدہ خلافی سخت ممنوع، قرآن حکیم میں حکم ہوا:

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا۝ (۲۲)

اور اپنے عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ہمارے ہاں جو جھوٹ کی اقسام رائج ہیں، ان میں عام روزمرہ کے جھوٹ سے لے کر گواہی، قسم اور شہادت میں غلط بیانی، جھوٹے سرٹیفکیٹ، وکلا کا غلط کیس لینا، غلط سفارش، ناپ تول میں کمی، تجارتی فریب، صحافتی رپورٹنگ میں غلط بیانی اور حکومتی و سیاسی سطح کے جھوٹ سب ہی شامل ہیں، سب سے ہی بچنے کا حکم ہے، اور ہماری موجودہ مشکلات میں بھی ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔(۲۳)

خیانت و بددیانتی:

جھوٹ اور کذب بیانی کے بعد جس دوسرے متعدی نوعیت کے مرض میں ہم شدت سے مبتلا ہیں وہ خیانت اور بددیانتی ہے، یہ مرض بھی ہم میں اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی آسان نظر نہیں آتا، امانت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی کام یا کوئی چیز یا کوئی مال اس بھروسے اور اعتماد کے ساتھ دوسرے شخص کے سپرد کرے کہ وہ شخص اس سلسلے میں اپنا فرض پوری ذمے داری کے ساتھ بجالائے گا، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهۡلِهَا۔ (۲۴)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کردو۔

حدیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو تم اس کو واپس کر دیا

۲۰۔ سورۂ مومن، آیت ۲۸، ۲۱۔ بخاری/ کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ۲۲۔ القرآن بنی اسرائیل، آیت ۳۴، ۲۳۔ کذب بیانی اور اس کی مروجہ اقسام پر تفصیلی بحث السیر ۹ کے اداریے ''راست گوئی اور کذب بیانی'' میں آچکی ہے ۲۴۔ سورۂ نساء، آیت ۵۸،

کرو، اور جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔(۲۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی بھی خطبہ دیا تو اس میں یہ ضرور فرمایا کہ جس شخص کے اندر امانت نہیں اس کے اندر ایمان نہیں اور جس شخص میں عہد کا پاس نہیں اس کے پاس دین نہیں۔(۲۶)

اور حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چار چیزیں تمہیں میسر ہوں تو دنیا کی کسی چیز سے محرومی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں، اور وہ یہ ہیں، ۱۔امانت کی حفاظت کرنا، ۲۔سچ بولنا، ۳۔خوش خلقی اختیار کرنا، ۴۔روزی میں پاکیزگی اختیار کرنا۔(۲۷)

امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، اور انسان زندگی کا ہر شعبہ اس کے دائرے میں داخل ہے، مثال کے طور پر تاجر کے لئے امانت یہ ہے کہ وہ لین دین میں سچ بولے اور دیانت داری سے تجارت کرے، آجر کے حق میں امانت یہی ہے کہ وہ اجیر (مزدور) کے حقوق کی ادائیگی بروقت کرے، اور اس میں کسی بخل سے کام نہ لے، اجیر کے حق میں امانت یہ ہوگی کہ وہ مالک اور آجر کے حقوق کی نگہبانی کرے، اور اس کے مفاد کا بھرپور خیال رکھے، ملازم اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری سے ادا کرے، صنعت کار اپنا فریضہ دیانت داری سے انجام دے اور کسی قسم کی غلط سرگرمی میں ملوث نہ ہو، یہ سب امانت داری ہے، اور اگر کوئی شخص اس کے برعکس کرتا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہے، اور خیانت کے برا ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادو الخیاط والمخیط وایاکم والغلول، فانہ عار علی اھلہ یوم القیمۃ۔ (۲۸)

دھاگا اور سوئی (تک) ادا کر دو، اور خیانت سے بچو، اس لئے کہ یہ خیانت قیامت کے دن عار اور ندامت کا باعث ہوگی۔

خیانت کی ہمارے ہاں بہت سی شکلیں رائج ہیں، ملازمت کے اوقات میں خیانت سے لے کر ذمے داریوں کی ادائیگی میں خیانت تک، اور علمی خیانتوں سے لے کر عملی خیانت تک کتنی ہی غلط راہیں ہم نے تراش لی ہیں، ہم وقت پر دفتر نہیں پہنچتے، ذمے داریوں کی ادائیگی میں امانت دیانت کا لحاظ نہیں

۲۵۔ابوداؤد/ ج۳، ص۲۷۶، رقم ۳۵۳۴، ۲۶۔احمد/ المسند/ دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء/ ج۳، ص۵۹۴،
۲۷۔ایضاً/ ج۲، ص۳۷۰، رقم ۶۶۱۴، ۲۸۔دارمی، السنن/ کراچی، قدیمی کتب خانہ/ ج۲، ص۳۰۲، رقم ۲۴۸۷

رکھتے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں خیانت کر جاتے ہیں، لین دین میں اپنے مفادات کو ترجیح دے کر دوسروں کو نقصان پہنچانا عام ہے، یہ سب چیزیں خیانت میں شامل ہیں اور ہمارے لئے سخت ممنوع، ہماری بہت سی مشکلات اس بنا پر ہیں کہ ہم امانت و دیانت کے ان اسلامی تقاضوں کا پاس نہیں رکھتے، جن کی تاکید قرآن و حدیث میں بار بار کی گئی ہے، ان اصولوں کو نافذ کئے بغیر ایک فلاحی معاشرے کا قیام ممکن نہیں، اور اس مقصد کے لئے ہر شخص آج ہی سے اپنی ذات سے اس کا آغاز کر سکتا ہے۔ (۲۹)

رزق حلال کی ضرورت:

ہماری بہت سی مشکلات کا ایک سبب رزق حلال کی کمی ہے، ہمارا مطمح نظر صرف کمائی بن کر رہ گیا ہے، خواہ وہ کسی طریقے سے ہو، اکثریت کے سامنے تو حلال حرام کا تصور رہا ہی نہیں، جنہیں اس کا تھوڑا بہت خیال ہے وہ بھی حیلے بہانے سے سب کچھ جائز کر لیتے ہیں، حالاں کہ یہ بات ہمارے سامنے ذہن چاہیے کہ حرام کھانے کا گناہ اپنی جگہ پر، آخرت کا وبال بھی درست، لیکن ان کے علاوہ خود ہماری دنیاوی زندگی بھی اس کے ساتھ اطمینان و سکون کے ساتھ نہیں گذر سکتی، ایک جانب حرام لقمہ ہماری خوراک بن رہا ہو اور دوسری جانب ہم آرام و بے فکری کی زندگی بسر کریں، یہ ممکن ہی نہیں، حرام غذا سے اسلام کے منع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اثرات خود ہم پر ہی پڑتے ہیں، اور اس کے نقصانات براہ راست ہمیں ہی متاثر کرتے ہیں، جن میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے ہمارے مال، زندگی اور کام سب سے برکت اٹھ جاتی ہے، مشکلات بڑھنے لگتی ہیں، مسائل میں اضافہ ہوتا ہے، غیر متوقع اخراجات سامنے آتے ہیں، اور زندگی حادثات کا شکار ہونے لگتی ہے، ان سے بچنے کا واحد نسخہ یہ ہے کہ کسب حلال کی کوشش کریں اور حرام سے ہر صورت میں بچیں، اسلام نے جہاں ایک جانب حلال کمائی کی تلقین کی ہے، وہیں حرام سے بچنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے، قرآن حکیم میں رزق حلال کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ۔ (۳۰)

اے ایمان والو تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲۹۔ ''امانت و دیانت کی ضرورت و اہمیت عصر حاضر میں'' کے عنوان کے تحت السیرہ ۷ میں پیغام سیرت (اداریے) میں اس موضوع پر مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ ۳۰۔ القرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۲،

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة۔ (۳۱)

حلال روزی کا طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین واضح الفاظ میں اور متعدد مقامات پر کی ہے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے کعب بن عجرہؓ سے فرمایا:

انه لن یدخل الجنة لحم نبت من سحت۔ (۳۲)

بلاشبہ حرام کمائی سے پلنے والا گوشت جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

ایک موقع پر حرام کمائی سے صدقہ و خیرات کرنے والوں کی بابت فرمایا کہ جس شخص نے برائی کے ذریعے مال کمایا پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا اس سے صدقہ کیا یا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو یہ سارا مال جمع کر کے اس کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (۳۳)

مایوسی اور نا امیدی

جن مسائل سے آج ہم ذاتی حیثیت میں دوچار ہیں، اور جو آج کسی نہ کسی اعتبار سے ہمارے گھروں کو متاثر کئے ہوئے ہیں، ان کے تمام نقصانات اپنی جگہ پر، لیکن ان کا ایک سب سے بڑا نقصان یہ سامنے آ رہا ہے کہ نا امیدی اور مایوسی جیسی خطرناک نفسیاتی کیفیت سے ہم دو چار ہوتے جا رہے ہیں۔ خصوصاً مستقبل کے حوالے سے مسلسل ایسے خیالات ہمارے ذہنوں میں پرورش پا رہے ہیں جو ہمیں مایوسیوں کی جانب دھکیلنے کا باعث بن رہے ہیں، ہمیں اس حوالے سے بھی اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا چاہئے، تا کہ اس کیفیت سے باہر نکل سکیں، کیونکہ ایسی ہر سوچ اسلام کے منافی ہے، اسلام تو خدائے واحد پر غیر متزلزل ایمان کی دعوت دیتا ہے جو حوادث کے سامنے ہر حالت میں پورے استقلال کے ساتھ قائم رہتا ہے، اور مصائب و مشکلات کی آندھیاں اسے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔

درحقیقت انسانی مزاج دو انتہاؤں سے عبارت ہے، ایک جانب اگر خوف، شکستگی اور انفعالیت کی انتہا ہے تو دوسری جانب ہر طرح کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر دنیاوی لذتوں سے جیسے بھی ممکن ہو اور جس قدر بھی ممکن ہو لطف اندوزی کی انتہا ہے، یہ دونوں انتہائیں انسان کی حقیقی کامیابی کی راہ کی بڑی رکاوٹ

۳۱۔ طبرانی، / المعجم الکبیر / موصل، مکتبة العلوم والحکم، ۱۹۸۳ء/ ج ۱۰، ص ۷۴، ۳۲۔ دارمی/ ج ۲، ص ۴۰۹، رقم ۲۷۷۶، ۳۳۔ ابن رجب حنبلی (م ۷۵۰ھ)/ جامع العلوم والحکم/ ج ۱، ص ۱۰۲/ بیروت دارالمعرفہ ۱۴۰۸ھ

all.Izyal not

ہیں، اس لئے اسلام کو ان میں سے ایک بھی انتہا مطلوب نہیں، وہ تو دونوں کے درمیان ایک راہ متعین کرتا ہے، اعتدال کی راہ۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ خوف و رجا کے ارتباط سے ایسی معتدل کیفیت تشکیل پائے جہاں ایک جانب تو خدا کا خوف اسے منکرات کی جانب بڑھنے سے روکے تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اسے حیات مستعار کے آخری سانس تک جدوجہد کرنے پر ابھارتی رہے۔ اسلام تو ناامیدی کا تعلق گمراہوں سے جوڑتا ہے، گویا اس کے نزدیک راہ حق پر جو لوگ گامزن ہوں انہیں تو ناامیدی چھو کر بھی نہیں گذر سکتی۔ ناامیدی تو اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن حکیم نے ہم تک یوں پہنچایا:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ O (۳۴)

اپنے رب کی رحمت سے تو فقط گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔

یہی تعلیم حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی بھی ہمیں ملتی ہے۔ (۳۵) اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہم گناہ گاروں کو مخاطب کرکے فرمایا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (۳۶)

اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہونا۔

اسی لئے دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے امید کا تعلق مومنین سے جوڑا اور بتایا کہ رحمت باری کی امید صرف مومن ہی رکھ سکتا ہے، فرمایا:

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ۔ (۳۷)

اور تمہیں اللہ سے وہ امید ہے جو ان (کافروں) کو نہیں۔

انسان جب بھی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے تو اس کا یقین ڈگمگانے لگتا ہے، حالاں کہ یہ بات حد درجہ غلط ہے کہ مشکلات میں انسان اپنے رب کو بھلا بیٹھے یا اس کی رحمت سے ناامید ہو جائے، بھلا مشکلات یا مصائب کا اللہ کی رحمت سے کیا تعلق؟ اللہ کی عمومی رحمت تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کے لئے یکساں ہے، پھر انسانوں پر تو وہ خاص مہربان ہے کہ اسے اشرف المخلوقات کا درجہ فضیلت عطا فرمایا، اور رہے مسلمان وہ تو اس کے خاص فضل و کرم کے مستحق ہیں کہ خود اس کے فرمان کے مطابق اہل جنت فقط

۳۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۵۶، ۳۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۷، ۳۶۔ سورۃ زمر، آیت ۵۳، ۳۷۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۴،

all.12yat not

مسلمان ہیں، یعنی وہ جو ہر دور میں صراط مستقیم پر گامزن رہے، اور اس کے انبیائے کرام پر ایمان لاتے اور ان کے احکامات کی بجا آوری کرتے رہے، اس لئے نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھنے کو عبادت قرار دیا، فرمایا:

ان حسن الظن باللہ عزوجل من حسن عبادۃ اللہ۔ (۳۸)

بلاشبہ اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھنا بھی عبادت کرنا ہے۔

اور اللہ کے بارے میں حسن ظن کا یہی مفہوم ہے کہ اسکی رحمت کی امید رکھی جائے، اور اس پر ہر حال میں اور ہر کام میں بھروسہ کیا جائے، حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

انا عند ظن عبدی فلیظن بہ ماشاء۔ (۳۹)

میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں، سو وہ جو چاہے میرے بارے میں گمان رکھے۔

اسی لئے اسلام نے خوف وخوف و رجا دونوں کو جمع کر دیا ہے، نیک بندوں اور صالحین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ (۴۰)

ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف وامید کی کیفیات کے ساتھ پکارتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مومن کے قلب میں خوف ورجا کی دونوں کیفیتیں بیک وقت یکجا ہونی چاہئیں، وہ ایک جانب اگر اپنے گناہوں کی باز پرس اور خطاؤں پر مواخذے کا ڈر رکھتا ہو تو دوسری جانب وہ اللہ کی رحمت کی امید سے بھی مالا مال ہو، یہ دونوں کیفیات اس لئے بھی ضروری ہیں کہ ایک جانب اگر ڈر گناہوں اور معاصی پر جری ہونے سے باز رکھتا ہے تو امید رحمت اسے مایوس وشکستہ دل نہیں ہونے دیتی، اس کی آرزوؤں کو توانا اور عزائم کو بلند رکھتی ہے جو کارزار حیات میں سرگرم ہونے کے لئے ازبس ضروری ہے۔

حسن اعتدال پر مبنی خوف ورجا کی اسی کیفیت کے ذریعے ہم مایوسی ونا امیدی کی فضا سے نکل سکتے ہیں، اور اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کی امید کی رسی تھام کر ہی ہم مصائب اور حوادث کی مشکل گھڑیوں میں جہد مسلسل کے سلسلے کو دوبارہ قائم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

۳۸۔ احمد/ ج۳، ص۴۳، رقم ۸۴۹۳ ۳۹۔ دارمی/ ج۲، ص۳۹۵، رقم ۲۷۳۱، ۴۰۔ سورۂ سجدہ، آیت ۱۶